THE IQBAL ACADEMY KARACHI

ظفر برادرس تاجرانِ کتب لاہور کا سلسلہ تالیفات ۹

خلافتِ اسلامیہ

جس میں بتایا گیا ہے۔ کہ جمہوریتِ اسلام اور آئین انتخابِ
خلیفہ مذہب و سیاسیات کا مشترک و واحد مطمحِ نظر ہے۔

از

علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی بیرسٹر ایٹ لا

مترجمہ

چودھری محمد حسین صاحب ایم۔ اے

ظفر برادرس تاجرانِ کتب "ظفر منزل" لاہور نے

سنہ ۱۹۲۳ء

میں چھپوایا

قیمت ۳/

اسلامیہ سٹیم پریس لاہور میں باہتمام مولوی عبدالرشید مینجر چھپی

عرضِ حال

علّامہ ڈاکٹر سر اقبال نے آج سے چودہ[14] سال پیشتر ۱۹۰۸ء میں لنڈن کے رسالہ "سوشیالوجیکل ریویو" میں جب ٹرکی میں انقلاب[1] ہو رہا تھا۔ ایک فاضلانہ مضمون اسلام اور خلافت کے متعلق تحریر فرمایا تھا۔ اب ۱۹۲۲ء میں ہمارے فاضل دوست چودھری محمد حسین صاحب ایم اے سکرٹری نواب سر ذوالفقار علی خان صاحب (لاہور) نے اس مضمون کا ترجمہ کیا ہے۔ اور اس قابلیت سے کیا ہے۔ کہ اس سے بہتر۔ صحیح۔ معتبر سلیس اور صاف ترجمہ ہونا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔

راقم الحروف مخدومی علّامہ ڈاکٹر صاحب اور مکرمی جناب چودھری صاحب کا دلی شکر گذار ہے۔ کہ دونوں اصحاب نے نہایت مہربانی اور فراخدلی سے خاکسار کو اس کے طبع کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔

علّامہ ممدوح کی سحر آفرین نظموں نے ہندوستان کے علاوہ افغانستان۔ ایران اور انگلستان تک اپنا سکہ بٹھایا ہے۔ اور خود گورنمنٹ نے نائٹ ہیڈ (سر) کا معزز و جلیل القدر خطاب عطا فرما کر ان کی علمی اور شاعرانہ قابلیتوں کا اعتراف کیا ہے۔ مگر اب علّامہ ممدوح کے پُر از معلومات اسلامی۔ علمی۔ تاریخی مضامین اور لیکچر بھی پبلک کی خدمت میں پیش کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے۔ "خلافت اسلامیہ" اس سلسلہ کی پہلی کڑی اور اس وعدہ کی پہلی قسط ہے۔ اُمید ہے ناظرین اس کے مطالعہ سے بے حد محظوظ ہونگے۔

محمد الدین فوق
۲۳۔ مارچ ۱۹۲۳ء

دفتر اخبار کشمیری۔ لاہور

---

[1] اسی انقلاب کی بدولت سلطان عبد الحمید خان ثانی ۲۸۔ اپریل ۱۹۰۹ء کو معزول ہوا۔ اور ٹرکی میں استواری و جمہوری حکومت قائم ہوئی۔

۷۸۶

خلافتِ اسلامیّہ

THE IQBAL ACADEMY KARACHI PAKISTAN

عرب جاہلیت
اور
طریقِ انتخابِ رئیس

زمانۂ جاہلیت میں ملکِ عرب کئی مختلف قبائل پر منقسم تھا۔ جو ہمیشہ باہمدگر برسرِپیکار رہتے تھے۔ ہر قبیلہ کا اپنا جُداگانہ سردار۔ جداگانہ معبود اور جُداگانہ شاعر ہوتا تھا۔ شاعر کا جذبۂ حبِّ قومی اپنے قبیلہ کے اوصاف و فضائل کی شان و عظمت کو منصّۂ شہود پر لانے میں صرف ہوتا تھا۔ اگرچہ ان ابتدائی اجتماعی نظاموں میں ایک خاص حد تک باہمی تعلقات قائم تھے۔ تاہم یہ محمد رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلم کی سیادت اور آنحضرتؐ کے مذہب کی عالمگیرانہ حیثیت

کا کرشمہ تھا۔ کہ امارت و ریاست کے وہ تمام منتہا و مقاصد جن کے لئے ہر قبیلہ ساعی و سرگردان رہتا تھا۔ حرفِ غلط کی طرح اعراب کے صفحۂ ضمیر سے محو و مفقود ہو گئے۔ اور جھونپڑوں اور خیموں میں بسر کرنیوالے ایک مشترک و وسعت طلب نظام میں بصورت ملّتِ واحدہ جلوہ نما ہونے لگے۔ اِس حقیقت کو واضح تر کرنے کے لئے ہمارے مقاصدِ مبحث اس امر کے مقتضی ہیں۔ کہ ہم مبادیات ہی میں عرب قبائل کے مراسم وراثت و دستورِ جانشینی کے تمام پہلوؤں کو بالتفصیل بیان کر دیں۔ اور اس نظام اور ضابطہ کا ذکر کر دیں جو کسی سردار قبیلہ کی وفات کے وقت قبیلہ کے ارکان کو ملحوظ رکھنا ہوتا تھا ⁂

جب کسی عرب قبیلہ کا سردار یا شیخ مر جاتا۔ تو قبیلہ کے تمام اکابر ایک جگہ جمع ہوتے۔ اور ایک دائرہ کی شکل میں مجلس منعقد کر کے جانشینی کے معاملہ پر بحث و تمحیص کرتے۔ قبیلہ کا کوئی رُکن جس کو معتبر و مقتدر خاندانوں کے اکابر و رؤسا بالاتفاق رائے منتخب کر دیں قبیلہ کا رئیس بن سکتا تھا۔ بقول وان کریمر وراثتی بادشاہت کا مفہوم عرب دل و دماغ سے ہرگز مانوس نہ تھا۔ ہاں کبر سنی و بزرگی کا اصول جس کو موجودہ سلطنت ترکی کے نظامِ حکومت میں سلطان احمد اوّل کے زمانہ میں قانوناً تسلیم کر لیا گیا۔ یقیناً انتخاب کیوقت منتخب کرنیوالوں کو ملحوظ رکھنا پڑتا تھا۔ اگر کبھی یہ شکل آ پڑتی۔ کہ قبیلہ کا ایک حصّہ ایک سردار کی حمایت میں ہو۔ اور دوسرا نصف دوسرے کی حمایت میں۔ تو دونوں فریق اُس وقت تک جبکہ ایک اُمیدوار اپنے حقوق سے دست بردار نہ ہو جائے۔ ایک دُوسرے سے جُدا رہتے۔ ورنہ بصورتِ دیگر شمشیر فیصلہ کرتی۔ جو سردار اس طرح منتخب ہوتا۔ قبیلہ کو اختیار تھا۔ کہ اگر اسکی روش

کو جادۂ اعتدال سے منحرف پائے تو اُسے معزول کر دے۔ اسلام کے ظہور کے بعد جوں جوں عرب فتوحات کا سلسلہ بڑھتا گیا۔ نظر و تدبّر کے دائرے وسعت پکڑتے گئے۔ یہ ابتدائی رسم بتدریج بڑھتی بڑھتی ایک سیاسی اصول میں متبدل ہو گئی جس کے وضع کرنے میں جیسا کہ ہم آگے چل کر بتائینگے۔ اسلام کے ماہرین "قانونِ اساسی" نے نئے نئے سیاسی حالات اور تجربوں پر اپنے اجتہاد و تفقّہ کی بِنا رکھی ؏

اسلام و دستورِ انتخابِ خلیفہ

پیغمبرِ عرب صلّی اللہ علیہ وسلّم نے عرب کی اس قدیم رسم کو قائم رکھا۔ رحلت کے وقت یا اس سے قبل اپنی جانشینی کے متعلق مسلمانوں کو کوئی ہدایات نہ فرمائیں۔ ایک حدیث میں مروی ہے۔ کہ بڈھا طفیل ابن عامر ایک دن پیغمبر خدا کی خدمت میں حاضر ہؤا۔ اور کہنے لگا۔ کہ "اگر میں اسلام قبول کر لوں۔ تو مجھے کیا مرتبہ یا منصب دیا جائیگا۔ کیا آپ اپنے بعد عرب کی حکومت کی باگ میرے ہاتھ میں دے دینگے؟" رحمۃ للعالمین نے جواب دیا "حکومت کی باگ تو خود میرے ہاتھ میں نہیں تیرے ہاتھ میں کیا دونگا؟" یہی وجہ تھی۔ کہ خانہ جنگی کے خطرہ سے بچنے کے لئے حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب جو آنحضرتؐ کے خسر اور اکابر اصحاب میں سے تھے فوراً ہؤا۔ اور بے قاعدگی کے ساتھ عمل میں آیا۔ اپنے انتخاب اور تقرر کے بعد حضرت ابوبکرؓ مجمع میں کھڑے ہوئے۔ اور مسلمانوں کو مخاطب کر کے پہلا خطبہ ان الفاظ میں دیا:۔

"یا معشر النّاس! آج سے میں تمہارا حکمران ہوں۔ اگرچہ تم سب میں قابل ترین نہ ہوں۔ اگر میں شریعت کے مطابق عمل کروں۔ تم میری مدد کرو اور میرا ہاتھ بٹاؤ۔ اگر شریعت کے خلاف جاؤں۔ مجھے روکو اور میری اصلاح کرو۔ حق کی اطاعت کرو۔ کیونکہ حق ہی میں ہدایت و ایمان ہے۔ باطل سے بچو۔ کیونکہ باطل ضلالت و منافقت کا سرچشمہ ہے۔ تم میں سب سے زیادہ کمزور میری آنکھوں میں سب سے زیادہ قوی ہوگا۔ جب تک کہ میں اُس کی شکایات کو رفع نہ کردوں۔ تم میں سب سے زیادہ قوی میری نگاہ میں سب سے زیادہ کمزور ہوگا۔ تاآنکہ میں اُس سے وہ حق چھین نہ لوں جو اُس نے غیر کا غصب کیا ہے۔ جو اللہ کی راہ میں جہاد کو ترک کرے گا۔ خدا اُسے ذلیل کردیگا۔ تم میری اطاعت کرو۔ لیکن اُس وقت تک جب تک کہ میں خدا و رسول کی اطاعت کرتا ہُوں۔ جس معاملہ میں میں خدا و پیغمبر کی اطاعت سے انحراف کروں۔ تم میری اطاعت ترک کردو"۔

یہ سب سے پہلا انتخاب تو اس طریق پر ہُوا۔ لیکن اس کے بعد جب حضرت عمرؓ خلیفہ منتخب ہوئے۔ تو آپ نے اس اہم مسئلہ پر اپنی رائے ان الفاظ میں ظاہر کی۔ کہ "حضرت ابوبکرؓ کا فوری انتخاب اگرچہ ضروریاتِ وقت و نتائج کے لحاظ سے نہایت مناسب اور برمحل ہُوا۔ تاہم انتخاب کا یہ طریق مذہبِ اسلام میں اصولِ مسلّمہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ چنانچہ ڈوزی کی کتاب (جلد اول صفحہ ۱۲۱) میں آپ سے منقول ہے۔ "وہ انتخاب جو لوگوں کی جزوی رائے کے اظہار پر عمل میں آیا ہو۔ منسوخ و مسترد سمجھنا چاہئیے"۔ ان باتوں پر غور کرتے ہوئے ہمیں یہ ماننا پڑیگا۔ کہ اسلام ابتداء ہی میں اس اصول کو تسلیم کرچکا تھا۔ کہ فی الواقع اور عملاً سیاسی حکومت کی تکمیل و

امین ملتِ اسلامیہ ہے نہ کہ کوئی خاص فردِ واحد۔ ہاں جو عمل انتخاب کنندگان اس معاملہ میں کرتے ہیں۔ اس کے معنی صرف یہی ہیں۔ کہ وہ اپنے متحدانہ و آزادانہ عملِ انتخاب سے اس سیاسی حکومت کو ایک ایسی مختصر و معتبر شخصیت میں ودیعت کر دیتے ہیں۔ جس کو وہ اس امانت کا اہل تصور کرتے ہیں۔ یوں کہو۔ کہ تمام ملت کا ضمیرِ اجتماعی اس ایک فرد یا شخصیت منفردہ کے وجود میں عمل پیرا ہوتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے۔ جہاں حقیقتاً اور صحیح معنوں میں فرد تمام کی تمام قوم کا نمائندہ کہلا سکتا ہے۔ لیکن ایسے فرد کا مسندِ حکومت پر متمکن ہونا شریعت کے نزدیک اُسے کسی برتری یا ترجیح کا مستحق ہرگز نہیں بناتا۔ شریعت حقہ کی نگاہ میں اس کی شخصی و ذاتی حیثیت بالکل وہی رہے گی جو ایک عام دوسرے مسلمان کی ہے۔ اُس کو اُن افراد پر جن کا وہ نمائندہ ہے۔ سوائے اس حکومت کے جو شرعاً آئین کے نافذ کرنے کی غرض سے اسے حاصل ہے اور کوئی اختیار و اقتدار نہ ہوگا۔ نتیجہ یہ نکلا۔ کہ مذہبِ اسلام میں مسئلہ قانونِ اساسی" کی بنیاد تمامتر اتفاق و اتحادِ آرائے جمہورِ ملت کے بنیادی اصول پر قائم ہے۔ پیغمبرِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ "کثرتِ ملتِ اسلامیہ جس امر کو مستحسن قرار دے۔ وہ خدائے علیم و حکیم کی نگاہ میں بھی مستحسن ہوتا ہے۔" غالباً پیغمبرِ خدا کی اس حدیث کی سند پر امام اشعری نے اپنے اس سیاسی مسئلہ کی بنیاد رکھی۔ کہ "ملت بحیثیت مجموعی کبھی باطل پر متفق و مجتمع نہیں ہو سکتی"۔

حضرت ابوبکرؓ کے انتقال کے بعد حضرت عمرؓ جو حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت میں قاضی القضاۃ کے عہدہ پر مامور تھے۔ تمام قوم کے اتفاقِ رائے سے

خلیفہ منتخب ہوئے۔ ۲۴ھ میں آپ ایک ایرانی غلام کے ہاتھوں مہلک طور پر زخمی ہوئے۔ اور رحلت سے قبل اپنے جانشین کی نامزدگی کا اہم کام سات انتخاب کنندگان کے سپرد کیا۔ ان سات میں آپ کا اپنا فرزند ارجمند بھی شامل تھا۔ ان سات حضرات کے ذمہ جب یہ مہتم بالشان فرض کیا گیا۔ تو یہ شرط ساتھ ہی عاید کر دی گئی۔ کہ "انتخاب بکمل اتفاق آراء پر مبنی ہوگا۔ اور خود تم سات میں سے کوئی شخص خلافت کا امیدوار یا دعویدار نہ ہوگا"۔ حضرت عمر علیہ السلام کا خود اپنے فرزند کو خلافت کی امیدواری سے مستثنیٰ رکھنا کس قدر روشن اور جلی ثبوت ہے۔ اس الم نشرح حقیقت کا۔ کہ اس زمانہ تک عرب کے سیاسی دل و دماغ کو وراثتی بادشاہت کے خیال سے قطعاً بعد و مغائرت تھی ۔۔

باینہمہ حفظِ ماتقدم اس مجلس کا قرعہ مجلس ہی کے ارکان سے ایک پر پڑا۔ اور حضرت عثمان رضؓ خلیفہ منتخب کئے گئے۔ پہلے آپ کو مذکورہ بالا طریق پر نامزد کیا گیا۔ بعد میں تمام قوم نے اس نامزدگی کی باتفاق آراء تائید و تصدیق کی۔ یہی حضرت عثمان رضؓ ہی کی خلافت ہے کہ آگے چل کر خلافت جیسے اہم مسئلہ میں اختلافات کا موجب ہوئی۔ شہادتِ عثمان رضؓ کے بعد مذہب کے پردہ میں تین بڑے بڑے سیاسی گروہ پیدا ہو گئے۔ جنہوں نے جدا جدا اپنے سیاسی مسلّمات اختراع کر لئے۔ ان میں سے جب کبھی کوئی گروہ برسرِ اقتدار و حکومت ہوا۔ سلطنتِ عرب کے کسی نہ کسی صوبہ میں اس نے اپنے وضع کردہ سیاسی اصولوں کو رائج کرنے اور کامیاب بنانے کی کوشش کی۔ مگر پیشتر اس کے کہ ہم ان مختلف اصولوں کی تشریح و تنقید پر قلم اٹھائیں مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ پہلے ناظرین کی توجہ

مفصلہ ذیل دو نکات کی طرف مبذول کی جائے :-

(۱) جمہوریہ اسلامیہ کی بنا شریعت حقہ کے نزدیک ایک مطلق و آزاد مساوات پر قائم ہے۔ شریعت کے نزدیک کوئی گروہ۔ کوئی جماعت۔ کوئی ملک۔ کوئی زمانہ فائق و مرجح نہیں۔ اسلام میں کوئی مذہبی پیشوائی یا مشیخیت نہیں۔ ذات پات یا نسل و وطن کا امتیاز نہیں۔ پیغمبر عالم ؑ آخری زمانہ میں ایک روز منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ اور مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا " اے مسلمانو! اگر میں نے کبھی تم میں سے کسی کو اپنے ہاتھ سے مارا ہو۔ تو یہ لو میرا بدن آج تمہارے سامنے موجود ہے تم مجھے پیٹ لو۔ اگر تم میں سے کسی کو میرے ہاتھ سے کوئی نقصان یا ضرر پہنچا ہو۔ تو تم اس نقصان کے بدلے آج مجھے نقصان پہنچا لو۔ اگر میرے ذمہ کسی کا مال بطور قرضہ یا بطور امانت ہو۔ تو آج میری تمام پونجی تمہارے سامنے حاضر ہے۔ ہر شخص کو اختیار ہے۔ جو کچھ اس کو مجھ سے لینا ہے۔ وہ لے لے"۔ حاضرین میں سے ایک شخص اٹھا اور کہا " آپ کے ذمہ میرا تین درہم قرض ہے "۔ رحمت عالم ؑ نے جواب دیا۔ کہ میں اس دنیا میں شرمسار ہو لوں گا۔ مگر آخرت کی سرخروئی کو ہاتھ سے نہ دوں گا۔ اور اسی وقت اس شخص کا مطلوبہ قرض ادا کر دیا۔ شریعت حقہ نسلی یا قومی امتیازات کو جو بظاہر قدرتی سے معلوم ہوتے ہیں۔ ہرگز تسلیم نہیں کرتی۔ نہ ہی قومیت کے تاریخی اختلافات اس کے نزدیک کوئی وقعت رکھتے ہیں۔ اسلام کا سیاسی منتہا یہ ہے۔ کہ تمام نسلوں اور قوموں کے آزادانہ اتحاد و اختلاط سے ایک نئی جامع فضائل و کمالات قوم پیدا کی جائے۔ مذہب اسلام میں سیاسی ترقی کا معراج نسلی یا ملکی قومیت نہیں۔ اور یہ اس بنا پر کہ شریعت

اسلامیہ کے عام اساسی اصُول فطرت انسانی پر مبنی ہیں نہ کہ کسی خاص قوم کے خصوصیات نسلی پر۔ ایسی قوم کا اندرونی ربط وضبط کسی نسلی یا جغرافی اتحاد پر قائم نہیں ہوسکتا۔ نہ ہی زبان اور تمدنی روایات و تجارب پر۔ بلکہ اگر ہوسکتا ہے تو نہ ہبی اور سیاسی منتہاؤں کے اتحاد وارتباط پر۔ یا ازروئے نفسیات سینٹ پال کے الفاظ میں "یکجہتی وہمخیالی" پر۔ پیدایش۔ شادی۔ وطنیت وغیرہ کوئی اس قسم کی شرط یا تمیز ایسی قوم میں شمولیت کی مانع نہیں ہوسکتی۔ جب بھی کوئی فرد اس قوم کے دائرہ میں داخل ہوگا۔ اس کو اس "ہمخیالی ویکجہتی" کا اقرار باللسان کرنا ہوگا جب کبھی اس "ہمخیالی" سے قدم پیچھے ہٹائے گا۔ اسی وقت قوم کے ساتھ رشتۂ اتحاد منقطع سمجھا جائیگا۔ پھر ایسی عالمگیر قوم کا وطن بھی تمام صفحۂ عالم ہی ہونا چاہیے۔ عربوں یونانیوں اور رومنوں کی طرح اپنی فتوحات کے بل پر ایسی عالمگیر قوم یا سلطنت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس وقت بیشک وہ بھی اس مقصد کے حاصل کرنے میں قاصر رہا ہے۔ تاہم اس منتہا کا حصول ناممکنات سے نہیں۔ بالقوّة تو اس قسم کی جامع کمالات ملّت پیشتر ہی سے اس دنیا میں موجود ہے۔ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں زمانۂ حال کی سیاسی جماعتوں کی زندگی کا نشوونما زیادہ تر آئین و حکومت کے مشترک اصولوں پر مبنی ہو رہا ہے۔ یہ مختلف ومتعدد نظام آئے دن اس طریق پر وسعت پکڑ رہے ہیں اور ایک دُوسرے سے قریب تر ہوتے جاتے ہیں۔ کہ بالآخر کسی وقت ایک دوسرے میں جذب ومربوط ہو کر ایک ہی صورت وشکل میں رُونما ہوں۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی قابلِ غور ہے۔ کہ ایسے عالمگیر نظام کا قائم ہونا انفرادی سلطنتوں کے حقوقِ اقتدار کے منافی نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا نتیجہ یہ مترتب ہوا۔ کہ ایسے نظام

کے تعمیر کی بنیاد دنیا کی مادی قوتوں پر کھڑی نہیں ہوگی۔ اس کا تمام تر دارومدار ایک منتہائے مشترک و واحد کی روحانی قوت پر ہوگا ۔

(۲) از روئے شریعت محمدیہ مذہب و سیاست میں کوئی تفریق و تمیز نہیں گویا ہمارے نزدیک مذہب و حکومت کے یکجا جمع کرنے کا نام سیاست نہیں بلکہ سیاست وہ عنصر غالب و منفرد ہے جس میں اس قسم کے فرق و امتیاز کی گنجائش ہی نہیں یہ لابد نہیں کہ خلیفۃ المسلمین اسلام کا افضل ترین مذہبی پیشوا سمجھا جائے۔ سطح دنیا پر اس کی نائب خدا کی حیثیت نہیں وہ معصوم نہیں بشر ہے اور دیگر بشروں کی طرح گناہ و خطا کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ اس کی شخصیت بھی شریعت وحی کی ازلی و ابدی حکومت کے اسی طرح ماتحت ہے جس طرح اور باقی مسلمانوں کی خلیفہ تو درکنار اکثر علمائے اسلام کے نزدیک پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم معصوم مطلق نہیں (مثلاً ابو اسحاق اور طبری وغیرہ کے نزدیک) غرضیکہ شخصی حکومت کا مفہوم اسلام کی حقیقی اسپرٹ کے خلاف ہے پیغمبر عرب فداہ ابی و امی نے عربوں جیسی پوری قوم کی قوم کو اطاعت و اقتدار کی زنجیروں میں جکڑ دیا لیکن خود اپنے ذاتی اقتدار و حکومت کی مخالفت تمام دنیا سے بڑھ کر خود آپ کی ارشاد فرمایا " میں بھی ایسا ہی بشر ہوں جیسے تم سب ہو تمہاری طرح میری مغفرت بھی خدا ہی کے رحم و کرم پر موقوف ہے "

حدیث بیان کی جاتی ہے۔ کہ ایک دفعہ کسی روحانی جذبہ کے زیر اثر آپ نے اپنے اصحاب میں سے ایک کو فرمایا " جاؤ اور لوگوں سے کہہ دو۔ کہ جس شخص نے ایک دفعہ بھی زندگی میں اپنی زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا۔ وہ سمجھ لے

کہ جنّت میں داخل ہو گیا"۔ رسالت مآب نے کلمۂ توحید کے دُوسرے جزو یعنی محمدٌ رسول اللہ کو جس کے اقرار کے بغیر مسلمان مسلمان نہیں ہو سکتا۔ دانستہ ذکر نہ فرمایا۔ اور اقرارِ توحید ہی کو کافی سمجھا۔ اور یہ جانتے ہو کہ کیوں ایسا کیا؟ محض اس لئے کہ دُوسرے جزو میں اپنی ذات اقدس کا ذکر تھا۔ رسولِ خدا کے اس عمل کی اخلاقی اہمیت کچھ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ جو اس پاک ہستی کے اوصاف و خصائل سے واقف ہیں۔ اخلاقیات اسلام کا تمام دارومدار اس واحد مسئلہ پر ہے۔ کہ فرد من حیث الفرد کیا حیثیت رکھتا ہے؟ زندگی کا کوئی طریقِ عمل یا رویہ جو فرد کے آزادانہ ارتقاء و عروج کے راستہ میں حائل ہو۔ وہ شریعتِ اسلامیہ اور اخلاقیات اسلام کے قطعاً خلاف ہے۔ ہر مسلمان اپنے افعال و اعمال کے لحاظ سے مختار و آزاد ہے۔ بشرطیکہ خلافِ قانون وحی اس سے کوئی فعل یا عمل سرزد نہ ہو۔ شریعت اسلامیہ کے اصولوں کے متعلق ہمارا ایمان ہے کہ وہ فطری ہیں اور وحی ربانی پر مبنی۔ باقی فروعات ہیں سو چونکہ ان کو زمانہ کی رفتار کے مطابق کم و بیش تمام دنیاوی امور پر حاوی ہونا ہوتا ہے۔ اس لئے ان کی تشریح و تصحیح فقہائے ملّت کے سپرد کر دی گئی ہے۔ اس لئے یہ نتیجہ اخذ کرنا بالکل درست ہو گا۔ کہ شریعت جس صُورت میں کہ وہ نافذ کی جاتی ہے قضاۃ اسلام کی تشریح کردہ و منضبط کردہ شریعت ہے یا یوں کہو۔ کہ نظامِ ملّت میں تفصیلی قانون سازی کا کام فقیہہ یا قاضی کرتا ہے۔ اگر کسی وقت کوئی مسئلہ بالکل نیا پیش آ جائے۔ جو شریعت نے اس سے پہلے کبھی فیصلہ نہ کیا ہو۔ تو اس صورت میں اجماع امّت ایک مزید منبع قانون تصوّر کیا جائیگا۔ اگرچہ

بصورتِ موجودہ اس مقام پر میں کوئی اس قسم کی تاریخی مثال نقل نہیں کر سکتا۔ جو یہ واضح کرے۔ کہ فلاں موقعہ اور مقام پر تمام مسلمانانِ عالم کی کوئی عام کونسل اس غرض کے لئے منعقد ہوئی +

اس کے بعد اب ہم اُن سیاسی مسائل کی توضیح کرتے ہیں جن کی طرف مضمون کے اول حصہ میں اشارہ کیا گیا تھا۔ اس مسئلہ میں اہل السنت والجماعت کا نظریہ ہماری توجہ کا سب سے پہلے مستحق ہے "

خلافتِ انتخابیہ

(مذہب اہل السنت والجماعت)

خلیفہ اور جمہور مسلمانان :۔ خلفائے راشدین کے زمانہ میں لوگوں کی زندگی نہایت سادہ تھی۔ خلفاء کی حیثیت عام افراد سے بڑھ کر نہ تھی۔ ان کو بسا اوقات معمولی کانسٹبلوں کا کام بھی کرنا پڑتا تھا (وشاورھم فی الامر) کے بموجب خلفاء امور سلطنت میں ہمیشہ رسول اللہ کے با اثر و مقتدر صحابیوں سے مشورہ کرتے تھے۔ کوئی عدالتی یا انتظامی معاملہ ایسا نہ ہوتا جس میں اُن کی رائے نہ پوچھتے۔ اتنا ضرور تھا۔ کہ معاملاتِ مملکت کی سر انجام دہی کے لئے خلیفہ کا ہاتھ بٹانے کے لئے باقاعدہ طور پر کوئی سرکاری وزراء مقرر نہیں تھے۔ بنی اُمیہ کے زمانہ تک حکومت کا دستور یہی رہا جس وقت خاندانِ عباسیہ نے خلافت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی۔ پھر البتہ خلافت کا مسئلہ عالمانہ طریق پر زیر بحث لایا گیا۔ اس مسئلہ کے متعلق شتی خیالات کو پیش کرتے ہوئے میں زیادہ امام الماوردی

کا نقطۂ خیال پیش نظر رکھوں گا سا امام موصوف دستور العمل حکومت پر سب سے پہلے بحث کرنے والے مسلمان فقیہہ ہیں۔ اُن کا زمانہ عباسی خلیفہ القادر کا زمانہ تھا۔ آپ نے ملّتِ اسلامیہ کو سیاسی نقطۂ خیال سے دو حصّوں پر تقسیم کیا ہے:۔

(اول) انتخاب کنندگان (دوم) امیدوارانِ خلافت۔ آپ کے نزدیک امیدوارِ خلافت کے لئے ضروری اوصاف و شرائط حسبِ ذیل ہیں:۔

(۱) سیرت اخلاقِ حسنہ سے آراستہ ہو۔ عادات و خصائل غیر مشتبہ ہوں (۲) صحّتِ حواس ظاہری و باطنی قائم ہو (سلطان عبدالعزیز اسی شرط کی عدم موجودگی کی بناء پر معزول کئے گئے) (۳) مذہب و شریعت کا ضروری علم حاصل ہو۔ جس سے کم از کم خلیفہ اس قابل ہو سکے۔ کہ مختلف نوعیتوں کے مقدمات فیصلہ کر سکے۔ اصولاً یہ شرط معتبر ہے۔ مگر عملاً خصوصاً آخری زمانہ میں آکر خلیفہ کے مقدمات فیصلہ کرنے کے اختیارات بٹ گئے۔ اور بعض دوسرے عہدہ داروں کو منتقل کر دئے گئے (۴) امیدوار ایسی دُور بینی و حق اندیشی کا مالک ہو۔ جو ایک حکمران کے لئے ضروری ہے (۵) ایسے حوصلہ اور جرأت کا مرد ہو۔ کہ وقتِ ضرورت خلافتِ مقدسہ کی حفاظت کے لئے میدان میں نکل سکے (۶) خاندانِ قریش سے قرابت رکھتا ہو۔ متاخر سُنّی فقہا کے نزدیک یہ شرط اس بناء پر کہ پیغمبر خداؐ نے اپنا جانشین خود آپ کسی کو نامزد نہیں کیا تھا۔ لازمی نہیں (۷) پوری عمر کا بالغ ہو (عند الغزالی) یہی شرط تھی۔ جس کی عدم موجودگی میں قاضی القضاۃ نے المقتدر

کو خلیفہ منتخب کرنے سے انکار کر دیا تھا (۸) مرد ہونا کہ عورت (عند البیضاوی) اس شرط کا خوارج نے انکار کیا ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ عورت خلیفہ منتخب ہو سکتی ہے ؂

اگر اُمیدواران شرائط کو پُورا کر دے۔ تو پھر تمام بڑے بڑے خاندانوں کے نمائندے۔ اعاظمِ فقہاء۔ حکومت کے اعلےٰ عہدہ داران اور افواج کے سپہ سالار سب ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔ اور ان اوصاف کے شخص کو خلیفہ نامزد کرتے ہیں۔ بعد ازاں یہ سارے کا سارا اجتماع جلوس کی شکل میں مسجد میں داخل ہوتا ہے۔ جہاں جمہورِ ملت اس نامزدگی کی باقاعدہ تائید و تصدیق کرتے ہیں۔ دور دراز علاقوں میں منتخب شدہ خلیفہ کے نمائندوں کو اجازت دی جاتی ہے۔ کہ وہ منجانب خلیفہ عام لوگوں سے بیعت لیں۔ دارالخلافت کے لوگوں کو انتخاب کے معاملہ میں مفصل کے لوگوں پر کسی قسم کی سبقت حاصل نہیں۔ اگرچہ عملاً کچھ تھوڑی سی اس قسم کی سبقت انہیں اس سبب سے حاصل ہے۔ کہ سابق خلیفہ کی موت کی خبر قدرتاً وہی سب سے پہلے سنتے ہیں۔ بعد انتخاب خلیفہ عموماً ایک خطبہ پڑھتا ہے۔ جس میں یہ عہد کرتا ہے۔ کہ میں شریعتِ اسلام کے مطابق حکومت کرونگا۔ اور کسی حالت میں اس سے اعتداء نہیں کرونگا۔ تاریخ اسلام کے صفحات میں اس قسم کے کئی خطبے محفوظ ہیں۔ اس حقیقتِ نفس الامری سے یہ واضح ہو گا۔ کہ اسلام نے اصولِ نمائندگی کو ایک خاص حد تک عملی سیاسیات میں جائز قرار دیا ہے۔ قانونِ وراثت کے معاملہ میں البتہ اس کی کھلے الفاظ میں مخالفت کی گئی ہے۔

مثلاً اگر زید اپنے باپ عمرو اور اپنے بھائی بکر کی زندگی میں اپنے پیچھے اپنا کوئی وارث چھوڑ کر مر جائے۔ تو عمرو کی ساری جائداد بکر کو جائیگی۔ زید کی اولاد کا کوئی حق نہ ہوگا۔ وہ اپنے باپ کے نمائندے متصور نہ ہونگے۔ قانونی نقطۂ خیال سے خلیفہ کی حیثیت کوئی مرجح و ممتاز حیثیت نہیں۔ اصولاً وہ بھی جمہوریت کے اور ارکین کی طرح قوم کا ایک عام رکن ہے۔ اس کے خلاف عام عدالت میں مقدمہ دائر کیا جاسکتا ہے۔ جس میں اسے اصالتاً بہ نفس نفیس حاضر ہونا پڑتا ہے۔ خلیفۂ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ایک دفعہ یہ الزام لگایا گیا۔ کہ آپ نے مال غنیمت میں اور لوگوں کی نسبت خود زیادہ حصہ لے لیا ہے۔ اس الزام کے جواب میں خلیفہ کو جمہور کے سامنے اپنے طرزِ عمل کی صفائی دینی پڑی۔ اور شریعتِ اسلامیہ کے مطابق سب کے سامنے اپنی بریت کی شہادت پیش کی۔ ہر مسلمان کو یہ اختیار ہے۔ کہ خلیفہ کی حاکمانہ حیثیت پر آزادانہ نکتہ چینی کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک دفعہ ایک بوڑھی عورت نے محض اس بات پر علانیہ زجر و توبیخ کی۔ کہ تو نے قرآن پاک کی فلاں آیت کی غلط تفسیر و تشریح کی ہے۔ اس عالی منزلت خلیفہ نے بڑھیا کے استدلال کو حوصلہ کے ساتھ سُنا۔ اور مقدمہ کا فیصلہ بڑھیا کے بتائے ہوئے معانی کے مطابق کیا۔

خلیفہ کو اختیار ہے۔ کہ اپنا جانشین نامزد کر دے۔ خواہ وہ اس کا اپنا بیٹا ہی ہو۔ لیکن جب تک جمہورِ ملّت اس کی تائید نہ کرے۔ نامزدگی شرعاً غیر مکمل رہے گی۔ بنی امیہ کے چودہ خلفاء میں صرف چار خلیفے اس

کوشش میں کامیاب ہوئے۔ کہ اُن کے بعد اُن کے بیٹے وارثِ خلافت ہوں۔
خلیفہ کو یہ اختیار ہرگز حاصل نہیں۔ کہ وہ اپنی زندگی میں اپنے جانشین کو
لوگوں سے منتخب کرائے۔ ابنِ اثیر لکھتا ہے۔ کہ خلیفہ عبدالملک (بنی اُمیّہ)
نے اس قسم کے انتخاب کا چارا کیا۔ مگر مکّہ کے مشہور فقیہہ ابنِ مسیّب نے خلیفہ
کے اس طرزِ عمل کے خلاف نہایت بلند آہنگی سے احتجاج کی آواز اُٹھائی عباسی
خلیفہ الہادی بیشک اس سعی میں کامیاب ہوا۔ کہ اپنی زندگی میں اپنے
بیٹے جعفر کو جانشین منتخب کرائے۔ مگر یہ انتخاب عبث و بے معنی تھا۔ کیونکہ
اس کی وفات کے بعد لوگوں نے ہارون کو اپنا خلیفہ مقرر کر لیا۔ اور جعفر
کی پرواہ تک نہ کی۔ جب صورتِ حالات اس قسم کی پیدا ہو جائے کہ ایک
خلیفہ پہلے منتخب ہو چکا ہو۔ اور جمہورِ ملّت بعد میں ایک دوسرا خلیفہ
انتخاب کر لیں تو پھر پہلے منتخب شدہ خلیفہ کو طوعاً و کرہاً اپنے حقوق سے
عام پبلک کے سامنے دست بردار ہونا پڑتا ہے۔ اگر ایسا کرنے سے گریز وہ
انکار کرے۔ تو سزائے قتل کا مستوجب ٹھہرایا جاتا ہے۔

اگر خلیفہ شریعت کے مطابق احکام نافذ نہ کرے یا اگر جسمانی یا روحانی
اسقام میں مبتلا ہو۔ تو وہ اس قابل ہوتا ہے۔ کہ خلافت اس سے چھین لیجائے
خلیفہ کی اس قسم کی معزولی کے وقت عام طور پر جس قاعدہ پر عمل کیا جاتا
ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ کوئی صاحب اثر مسلمان بعد نماز مسجد میں جماعت کے
سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور جماعت کو خطاب کر کے اُن تمام براہین و دلائل
کو لوگوں پر واضح کرتا ہے۔ جو اس امر کے مقتضی ہوتے ہیں۔ کہ خلیفہ کو

مسندِ خلافت سے برطرف کردیا جائے۔ وہ یہ ثابت کرتا ہے۔ کہ خلیفہ کی معزولی تائیدِ مقاصدِ اسلام کی بنا پر عمل میں لائی جارہی ہے۔ نہ کہ اس کے سوا کسی اور غرض کے لئے۔ تقریر ختم کرکے وہ اپنے ہاتھ کی انگوٹھی اُتار کر زمین پر دے مارتا ہے۔ اور زبان سے یہ لفظ پکارتا ہے "مجھے اس خلیفہ کی معزولی اسطرح مطلوب ہے جس طرح میں نے اپنے ہاتھ کی انگوٹھی کو اُتار کر پھینک دیا ہے" بعد ازاں لوگ مختلف طریقوں پر اس تجویز کی تائید کرتے ہیں حتّٰی کہ معزولی کا عمل بالکل مکمّل سمجھا جاتا ہے "

فقہار نے اس مسئلہ پر بھی طویل بحث کی ہے۔ کہ آیا ایک ہی وقت میں دو خلیفوں کا ہونا شرعاً جائز ہے یا نہیں ابنِ جمع کا قول ہے۔ کہ خلیفہ ایک سے زائد نہیں ہوسکتا۔ ابنِ خلدون کی رائے ہے۔ کہ ایک ہی وقت میں دو یا اس سے زیادہ خلیفوں کا ہونا کسی سبب خلافِ شرع نہیں۔ مگر یہ شرط ہے۔ کہ خلیفے مختلف ممالک میں ہوں نہ کہ ایک ہی مُلک میں ابنِ خلدون کی یہ رائے بیشک قدیم عربی مفہوم خلافت کے مخالف ہے۔ تاہم جس حد تک کہ جمہوریت اسلام غیر شخصی و غیر صنعی قانون یعنی شریعتِ وحی کے تابع ہے۔ میرا خیال ہے۔ کہ ابنِ خلدون کی رائے بالکل درست ہے اور مؤیّد مقصود ہو سکتی ہے۔ مزید براں یہ بھی سب کو معلوم ہے۔ کہ فی الواقع بہت لمبے عرصے تک اسلام میں دو خلافتیں ایک ہی زمانہ میں قائم رہیں "

جس طرح امیدوارِ خلافت کے لئے بعض مخصوص اوصاف کا مالک ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح الماوردی کے نزدیک انتخاب کنندہ کے لئے لازم ہے کہ وہ بھی

چند مخصوص اوصاف سے متصف ہو۔ اور وہ یہ ہیں (۱) دیانت داری اُس کی معلوم و معروف ہو (۲) امورِ سلطنت کا ضروری علم اور واقفیت حاصل ہو۔ (۳) دُور بین اور عدل و انصاف کے مادہ سے خالی نہ ہو۔

اصولاً تمام مسلمان مرد و زن کو انتخاب میں رائے دینے کا حق حاصل ہے صاحب جائداد ہونا شرط نہیں تاہم عملاً عورتوں اور غلاموں کو اپنے حق کو عمل میں لانے کا کبھی موقعہ نہیں ہوا معلوم ہوتا ہے۔ قرونِ اولیٰ کے فقہا اس بات میں کچھ خطرہ محسوس کرتے تھے۔ کہ عوام الناس کو ووٹ دینے کا حق حاصل ہو یا کبھی عملاً ووٹ دیں۔ کیونکہ یہ تمام فقہا عموماً اس پر زور دیتے ہیں اور انہوں نے اسے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ انتخاب اور ووٹ دینے کا حق صرف خاندان پیغمبر تک ہی محدود ہے۔ عام مسلمان انتخاب میں دخل دینے کے مجاز نہیں۔ گر ہم بالفعل اس معاملہ میں اپنی رائے نہیں دے سکتے۔ کہ عورتوں کو الگ تھلگ رہنے کی پابندی روز افزوں اس لئے ہوئی۔ کہ اُن کو حقِ انتخاب سے محروم رکھا جائے جس سے اصولاً ان کو محروم نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ یا کسی اور غرض کے لئے انتخاب کنندہ کو خلیفہ یا اس کے عاملین کی معزولی کے مطالبہ کا پورا حق حاصل ہے۔ بشرطیکہ وہ یہ ثابت کر دے کہ ان کا طرزِ عمل خلافِ شریعت ہے۔ اس کو یہ اختیار ہے۔ کہ بعد نماز مسجد میں تمام حاضرین کو اس موضوع پر خطاب کرے اور اپنے اعتراضات و دعاوی و دلائل کو ان کے سامنے پیش کرے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ مسجد مسلمانوں کی کونسل چیمبر یا دیوان عام ہے مسجد میں نماز با جماعت اور روزانہ عبادت کا مشاہدہ ملتِ اسلامیہ کی سیاسی زندگی کے ساتھ اس طریق پر جذب و متحد

ہے۔ کہ ان کو ایک دُوسرے سے الگ تصوّر ہی نہیں کیا جا سکتا۔ مذہبی اور معاشرتی امُور کو الگ رکھتے ہوُئے مسجد کا تعمیر کرنا اس غرض پر مبنی ہے۔ کہ مسلمان جس وقت چاہیں مسجد میں فوراً اکٹھے ہو کر حکومت و خلافت کے طرزِ عمل پر جرح و قدح کر سکیں۔ لیکن اگر انتخاب کنندہ جماعت کے سامنے تقریر بھی کرنا چاہیے تو اُسے اختیار ہے۔ کہ حکومت کے جس افسر کے طرزِ عمل کے خلاف وہ چاہے یا ایسے امر کے متعلق جس کا بحیثیت مجموعی تمام قوم پر اثر پڑ سکتا ہو۔ آئینی تحقیقات یا باصطلاحِ شریعت استفتاء کرے۔ استفتاء میں قاعدہ ہے۔ کہ کسی خاص شخص کا نام لیکر ذکر نہیں کیا جاتا۔ مثال کے طور پر ہم وہ الفاظ نقل کرتے ہیں جو عموماً ہر استفتاء میں استعمال کئے جاتے ہیں:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و فقہائے شرعِ مبین اس مسئلہ میں کہ ذمّی لوگوں کی حوصلہ افزائی شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا دیتے ہیں وہ رائے اس بارہ میں کہ ملکی انتظامات میں ذمّیوں کو حکّام و عمّال کے منشی یا محرّر بنانے یا لگان کے محصّلین مقرّر کرنے سے جو امداد و معاونت ان سے حاصل کی جاتی ہے۔ وہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ دلائل قاطع سے مسئلہ مذکورہ بالا کی توضیح فرمائی جائے اور براہین ساطع سے س کے متعلق ایمان حقّہ کی تبیین کی جائے۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔"

اس قسم کے استفتاء حکومت خود بھی کرتی ہے۔ جب مفتیوں کے فتوؤں میں اختلافِ رائے ہو۔ تو عمل کثرتِ رائے کے فیصلہ پر کیا جاتا ہے۔

جبری انتخاب قطعاً ناجائز ہے۔ لیکن مصری فقیہہ ابن جمع کی رائے یہ ہے۔ کہ سیاسی ہلچل کے زمانہ میں جائز ہو سکتا ہے۔ شریعت ایسے عمل کو جو فوری و ہنگامی

ضرورت سے پیدا ہو تسلیم نہیں کرتی۔ اس قسم کے انتخاب جو اسلامی حکومتوں میں عمل میں آئے۔ وہ بے شک وشبہ تاریخی واقعات کی نظیروں پر مبنی تھے نہ کہ آئین اسلام پر۔ اندلسی فقیہہ طرطوشی بھی غالباً اسی خیال کا ہے۔ کیونکہ اس کا قول ہے۔ "کہ ظلم وستم کے چالیس سال فتنہ وفساد کے ایک لمحہ سے اچھے ہیں"۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے۔ کہ اسلام میں منتخب شدہ وانتخاب کنندہ کے مابین کیا رشتہ تعلق ہے۔ امام الماوردی نے اس تعلق کو لفظ "عقد" سے تعبیر کیا ہے۔ گویا حکومت ایک عقد وپیمان قائم کرنے والے نظام کا نام ہے۔ جو حقوق وفرائض کا بین دمحافظ ہے۔ الماوردی جب اس تعلق کو عقد سے تعبیر کرتا ہے۔ تو روسو (Rousseau) کی طرح اس کا یہ منشاء نہیں۔ کہ سوسائٹی کے ماخذ کو ایک اولین معاشرتی عہد وپیمان پر مبنی کیا جائے۔ اُس کا مطلب لفظ عقد سے صرف یہ ہے کہ فی الحقیقت عمل انتخاب خلیفہ اور جمہور مسلمانان میں ایک اس قسم کا پیمان ہے جس کی رُو سے خلیفہ پر یہ واجب ہو جاتا ہے۔ کہ وہ بعض خاص فرائض کو بجا لانے کا پورا پورا ذمہ وار ہو۔ مثلاً وہ فرائض ان امور کے متعلق ہیں۔ حفاظت مذہب شریعت پر عملدرآمد۔ شریعت کے مطابق محصول اور لگان وغیرہ کا عائد کرنا۔ سالانہ تنخواہیں تقسیم کرنا بیت المال کے روپے کے مصرفوں کی نگرانی اور جانچ پڑتال کرنا۔ اگر خلیفہ ان کو بجا لائے۔ تو مسلمانوں پر۔ اس کے مقابل میں دو فرض عائد ہونگے۔ اوّل خلیفہ کی اطاعت، دوم شریعت کے نفاذ میں اس کی مدد واعانت۔ اس عہد وپیمان کے خیال سے الگ بعض فقہاء نے ایسے واقعات بھی لکھے ہیں۔ جن میں خلیفہ کی "اطاعت" کوئی لازمی شرط نہیں۔ ثابت ہُوا۔ کہ الماوردی کے نزدیک حکومت کا ماخذ طاقت و

جبروت نہیں۔ بلکہ ان افراد کی آزادانہ باہمی رضا و مصالحت ہے۔ جو اس فرض کے لئے متحد و متفق ہوئے ہیں کہ قانونی مساوات کی بناء پر ایک اس قسم کی اخوت قائم کریں جس کا ہر رکن شریعت اسلامیہ کے ماتحت بحیثیت فرد اپنی فطرت کے تمام ممکنات کا امتحان کر سکے۔ اور اپنے انفرادی قوٰی کو کماحقہ ترقی دے کر اپنی انتہائی نشو و ارتقا کے کرشموں سے آگاہ ہو سکے۔ الماوردی کے خیال کے مطابق گورنمنٹ یا حکومت ایک مصنوعی خود ساختہ نظام ہے۔ اور مقدس و مطہر صرف ان معنوں میں ہے کہ شریعت اسلامیہ جیسا کہ مسلمانوں کا اعتقاد ہے۔ وحی پر مبنی ہونے کی وجہ سے بنی نوع کے امن و حفاظت کی کفیل و امین ہے ؂

خلیفہ اپنے انتخاب کے بعد سلطنت کے اعلےٰ احکام کا تقرر عمل میں لاتا ہے یا جو حکام پہلے مقرر ہوتے ہیں انہیں بحال رکھتا ہے۔ شریعت کے مطابق حکام اعلےٰ اور ان کے فرائض حسب ذیل ہیں:۔ (۱) وزیر اعظم (وزیر اعظم محدود اختیارات کا بھی ہوتا ہے اور غیر محدود اختیارات کا بھی) غیر محدود اختیارات کے وزیر اعظم کے لئے انہی اوصاف کا مالک ہونا شرط ہے۔ جو خلیفہ کے لئے لازمی ہیں باستثناء اس امر کے (عند الماوردی) کہ اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ خاندان قریش سے ہو۔ وزیر اعظم کے لئے شرط ہے۔ کہ عالم متبحر ہو۔ ریاضی۔ تاریخ۔ فصاحت و بلاغت میں خاص قابلیت و مہارت رکھتا ہو۔ اُسے اختیار ہوتا ہے۔ کہ خلیفہ کے تمام فرائض انجام دے۔ البتہ خلیفہ کے جانشین کو نامزد کرنے کا مجاز نہیں ہوتا۔ وہ مختار ہوتا ہے۔ کہ خلیفہ کی منظوری کے بغیر حکومت کے مختلف محکموں کے افسر مقرر کر دے۔ محدود اختیارات کا وزیر ایسا نہیں کر سکتا۔ غیر محدود اختیارات کا وزیر اگر معزول ہو

تو اسکے ساتھ وہ تمام عہدہ داران بھی معزول سمجھے جاتے ہیں۔ جو اُس نے مقرر کئے ہوئے ہیں۔ محدود اختیارات کا وزیر برخاست ہو۔ تو اس کے مقرر کردہ عہدہ دار برخاست نہیں ہوتے۔ غیر محدود اختیارات کے وزیر ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتے۔ مختلف صوبوں کے والی (گورنر) اپنے وزیر آپ مقرر کر سکتے ہیں۔ ایک غیر مسلم محدود اختیارات کا وزیر مقرر ہو سکتا ہے۔ عبیدیوں کے شیعہ خاندان نے ایک یہودی کو اس اعلےٰ عہدہ پر مامور بھی کیا۔ ان کی اس انتہائی آزاد خیالی کا ایک مصری (بغدادی؟) شاعر نے ان جملے الفاظ میں نقشہ کھینچا ہے ؎

يَهُودُ هٰذَا الزَّمَانِ قَدْ بَلَغُوا ۔۔۔ مَرْتَبَةً لَا يَنَالُهَا فَلَكُ
اَلْمُلْكُ فِيْهِمْ وَالْمَالُ عِنْدَهُمْ ۔۔۔ وَمِنْهُمُ الْمُسْتَشَارُ وَالْمَلِكُ
يَا مَعْشَرَ النَّاسِ قَدْ نَصَحْتُ لَكُمْ ۔۔۔ تَهَوَّدُوْا قَدْ تَهَوَّدَ الْفَلَكُ

(اس زمانہ کے یہودی اس مرتبہ کو پہنچ گئے ہیں۔ جسے فلک بھی چاہے تو پا نہیں سکتا۔ ملک اُن کا۔ مال اُن کا۔ وزیر اُن کے۔ بادشاہ اُن کا۔ لوگو! میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں۔ کہ یہودی بن جاؤ۔ کیونکہ آجکل خدا خود یہودی بن چکا ہے)

(۲) وزیر اعظم کے بعد حکام منتظمین کی صف میں مختلف ولایتوں کے والی (گورنر) ہیں۔ ان کو خلیفہ مقرر کرتا ہے۔ بعض کے اختیارات محدود ہوتے ہیں۔ بعض کے غیر محدود۔ محدود اختیارات کے والی چھوٹے ملحقہ صوبوں کے لئے نائب والی خود مقرر کر سکتے ہیں۔ مثلاً سسلی کے نائب والی کو اندلس کا والی مقرر کیا کرتا تھا۔ اور سندھ کے نائب والی کو بصرہ کا والی۔ اس تمام نظام سے حقیقت میں مدعا یہ تھا۔ کہ مختلف صوبوں میں خود اختیار اسلامی مستعمرات قائم کی جائیں دوسرے لفظوں

ہیں صوبہ کا والی اپنے صوبہ کے اندر ایک چھوٹے پیمانہ پر خلیفہ ہوتا تھا۔ وہ اپنا ذریعہ اپنا قاضی القضاۃ۔ اپنے دوسرے حکام و عمال خود آپ مقرر کرتا تھا۔ جہاں صوبہ کی مقامی سپاہ کا کوئی خاص کمانڈر معین نہ ہوتا تھا۔ وہاں خود والی بحیثیت والی امیر الجیش سمجھا جاتا تھا۔ مگر حکومت کا یہ طریق کار غلطی پر مبنی تھا۔ کیونکہ کئی جگہ گورنر بتدریج قوت پکڑ جاتے تھے۔ اور اکثر دفعہ مطلق العنانی کا اعلان بھی کر دیتے رہے تھے۔ تاہم بحیثیت سپہ سالار گورنر کے اختیارات بالکل محدود تھے۔ یہاں تک کہ سوائے خاص صورتوں کے سپاہیوں کی تنخواہوں میں اضافہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کا فرض تھا۔ کہ مقامی حکومت کے مصارف ضروریہ کے بعد جو روپیہ بچے۔ وہ براہ راست مرکزی خزانہ یعنی بیت المال خلافت میں روانہ کر دے۔ اگر ولایت کی آمدنی مصارف سے کم رہ جاتی۔ تو وہ مرکزی خزانہ سے بقدر ضرورت روپیہ طلب کر سکتا تھا۔ اگر والی کو خلیفہ مقرر کرتا تھا۔ تو خلیفہ کی معزولی کے ساتھ والی کی معزولی لازم ملزوم نہ ہوتی تھی۔ لیکن اگر والی وزیر اعظم کا مقرر کردہ ہوتا۔ تو پھر وزیر اعظم کی موت کے ساتھ اس کے تمام مقرر کردہ والی بھی معزول سمجھے جاتے۔ البتہ ان صورتوں میں جہاں تقرر ابھی نیا ہوتا معزولی عمل میں نہ آتی تھی ؛

محدود اختیارات کا والی محض ایک انتظامی افسر ہوتا ہے۔ اس کو عدالتی امور سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ فوجداری مقدمات میں اس کا اختیار بالکل محدود ہوتا ہے۔

فقہاء نے ایک تیسری قسم کا والی بھی تسلیم کیا ہے یعنی غاصب مگر بشرطیکہ یہ کہ غاصب کا حق شرعاً تسلیم کیا جائے۔ اسے چند خاص شرائط کو پورا کرنا ہوتا ہے ؛

(۳) افواج کے امیرالجیش - ان میں بھی محدود و غیر محدود اختیارات کی تمیز رکھی گئی ہے - کمانڈر - ماتحت افسر - سپاہی سب کے فرائض واضح و بیّن طور پر معلوم و معیّن ہوتے ہیں ؂

(۴) قاضی القضاۃ :- قاضی القضاۃ کو خلیفہ بھی مقرر کر سکتا ہے - وزیر اعظم بھی - امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بعض حالات میں - اور ابو جعفر طبری کے نزدیک مسلّمہ طور پر ہر حالت میں ایک غیر مسلم - اپنے ہم مذہبوں پر اپنی مذہبی قانون کے مطابق مقدمات فیصل کرنے کے لئے حاکم یا منصف مقرر کیا جا سکتا ہے - قاضی القضاۃ بہ حیثیت کفیل و نمائندہ شریعت خلیفہ کو معزول کر سکتا ہے - گویا دوسرے الفاظ میں اپنے بنانے والے کو ہٹا سکتا ہے - اگر قاضی القضاۃ فوت ہو جائے - تو اس کا تمام عملہ موقوف و معزول سمجھا جاتا ہے - برعکس اس کے خلیفہ کی موت کا یہ لازمی نتیجہ نہیں ہے کہ اس کے مقرر کردہ تمام قاضی موقوف ہو جائیں - نئے خلیفہ کے انتخاب تک یعنی اس وقت کے اندر اندر جتنا عرصہ مسند خلافت خالی رہے - ایک شہر کے لوگوں کو اختیار ہے - کہ اپنا قاضی آپ انتخاب کر لیں - مگر خلیفہ کی زندگی میں وہ ایسا نہیں کر سکتے ؂

(۵) شیخ الاسلام - یہ عہدہ اس غرض کے لئے ہے - کہ مقدمات کی آخری اپیلوں کے لئے کوشش ہو - اور حکومت کے تمام مختلف محکموں پر عام نگرانی کیجائے - خلیفہ عبد الملک (بنی امیہ) جس نے اس عہدہ کو قائم کیا - خود بطور شیخ الاسلام کام کرتا تھا - اگرچہ زیادہ پیچیدہ مقدمات قاضی ابوادریس کو دیدیا کرتا تھا - دور متاخر میں شیخ الاسلام کو خلیفہ مقرر کرتا تھا - عبّاسی خلیفہ المقتدر کے عہد حکومت

میں خلیفہ کی اپنی والدہ شیخ الاسلام کے عہدہ پر متمکن تھی۔ اور ہر جمعہ کے روز اپنے گرد علما۔ قضاۃ۔ مشائخ عظام اور اکابر امرا کی مجلس منعقد کر کے اپلیں سُنا کرتی تھی۔ بلحاظ ایک امر کے قاضی القضاۃ اور شیخ الاسلام میں فرق ہے۔ اور وہ یہ کہ موخر الذکر اول الذکر کی طرح شریعت کے ہر لفظی مفہوم کا پابند نہیں اس کے فیصلے قدرتی اور فطری عدل و انصاف کے عام کُلیوں پر مبنی ہوتے ہیں یوں کہو۔ کہ شیخ الاسلام خلیفہ کے ضمیر کا محافظ و مُہیمن ہوتا ہے۔ عدالت کے وقت اس کے ساتھ اس کی مدد کو قضاۃ و فقہا کی ایک مجلس بیٹھتی ہے جس کا فرض ہوتا ہے کہ شیخ الاسلام کے فیصلے سُنانے سے قبل اسی کے سامنے مقدمہ کے ہر پہلو پر بالتفصیل و توضیح جرح و بحث کرے۔ اس عہدہ کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے۔ کہ یہ مسلمانوں کی ان چند یادگاروں میں ایک تھی جسے نارمنوں نے گیارھویں صدی میں سسلی پر قبضہ کرنے کے بعد اپنی حکومت کے دوران میں بھی قائم رکھا ٭

شیعی نظریہ خلافت

اہل تشیع کے اعتقاد کے مطابق حکومت و سلطنت کا منبع الوہیت یعنی خود خدا ہے۔ خلیفہ یا ان کی اصطلاح میں امام ایک حق الہیہ کی رُو سے حکومت کرتا ہے۔ یہ اعتقاد سب سے پہلے ایک غیر معروف عربی فرقے میں پیدا ہوا جسے سبائی کہتے تھے اور جس کا بانی عبداللہ ابن سباء ایک یہودی یمن میں صنعا کا رہنے والا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں اس نے اسلام قبول کیا۔ اور

بالآخر مصر میں اقامت اختیار کر کے وہاں اپنے معتقدات کا وعظ لوگوں میں شروع کیا۔ اس کا یہ عقیدہ بالکل ان سیاسی عقائد کے مطابق و ہم معنی تھا۔ جو قبل ظہور اسلام ایران میں مقبول و مسلم تھے۔ لہذا اس عقیدے نے ایران میں بہت جلد ہی جڑ پکڑ لی۔ ایرانیوں کے عقیدہ کے مطابق امام منتخب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ مامور من اللہ ہوتا ہے (عمان کے شیعوں نے بیشک انتخابی اصول کو اختیار کیا۔ اور یہ بھی تسلیم کیا۔ کہ امام معزول بھی ہو سکتا ہے) وہ عقل کل کا اوتار ہوتا ہے۔ تمام کمالات کا جامع ہوتا ہے۔ فوق البشری ادراک و فراست اسے حاصل ہوتے ہیں۔ اس کے فیصلے آخری اور ناطق اور بلا احتمال سہو و خطا ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے امام حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے۔ جن کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کیا۔ حضرت علیؓ کے بلا واسطہ اخلاف آپ کے خدا کے مقرر کردہ جانشین ہیں۔ دنیا کبھی بغیر زندہ امام کے نہیں رہ سکتی۔ خواہ وہ امام ظاہر ہو یا غائب۔ حضرات شیعہ کے اعتقاد کے مطابق اُن کے بارھویں امام کوفہ کے نزدیک اچانک غائب ہو گئے تھے۔ وہ پھر دوبارہ دنیا میں ظہور فرمائیں گے۔ اور دنیا کو امن و امان اور خوشحالی و فارغ البالی سے معمور کر دیں گے۔ اس اثناء یعنی زمانۂ غیبت میں وہ وقتاً فوقتاً اپنے مقبول و محبوب افراد کی وساطت سے (جنہیں باب کہتے ہیں) جن کا غائبانہ تعلق ہمیشہ ان سے قائم رہتا ہے۔ اپنی رضا و ارادہ کے متعلق لوگوں کو اطلاع دیتے رہتے ہیں۔ یہ غیبت امام کا مسئلہ سیاسی نکتۂ خیال سے نہایت اہم اور نتیجہ خیز ہے۔ اور ہمارا خیال ہے۔ کہ بہت کم علمائے اسلام و محققین شریعت نے اس کو کما ینبغی سمجھا ہے۔ یہ تو علم نہیں کہ بارھویں امام حقیقتاً غائب ہوئے یا نہ۔ اتنی بات ضرور اظہر من الشمس ہے کہ

کہ غیبتِ امام کا عقیدہ اس قدر قابلِ داد حیلہ گری پر مبنی ہے۔ کہ اس کے ذریعہ سے مذہب و حکومت میں بآسانی افتراق و اختلاف پیدا کیا جا سکتا ہے۔ امامِ غائب جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ تمام امور و معاملات میں آخری اور مطلق سند ہے۔ لہٰذا موجودہ ظاہری حکّام و عمّال محض اس املاک کے محافظ و نگران ہیں۔ جس کا حقیقی وارث و مالک خود امامِ غائب ہے۔ امامِ غائب کو یہ وراثت بلا واسطہ پہنچتی ہے۔ سوائے اُس صورت کے جہاں پہلے اماموں کے بلا واسطہ وارث نہ ہوں یعنی صرف اس صورت میں بالواسطہ آتی ہے۔ اس توضیح سے یہ بات بخوبی ذہن میں آجائیگی۔ کہ شاہِ ایران کے کُل اختیارات ایران کے مُلّاؤں کی ہدایت و تصرّف کے زیرِ اثر ہیں۔ اس لئے کہ وہ امامِ غائب کے نمائندے ہیں۔ البتہ اس لحاظ سے کہ شاہِ ایران اس جاگیر کا سب سے اعلےٰ انتظامی حاکم ہے۔ وہ اس املاک و وراثت کی بہبودی کے لئے جو ذرائع عمل میں لانا چاہے لا سکتا ہے۔ تاہم چونکہ وہ اس املاک کا محض نگران و پاسبان ہے۔ اُسے ہمیشہ مُلّاؤں کی حکومت کے ماتحت رہنا پڑتا ہے۔ یہ معلوم کرنے کے بعد اس بات میں کوئی حیرت و تعجب باقی نہیں رہیگا۔ کہ ایران میں گذشتہ آئینی اصلاحات کے حصول کی جدوجہد کے زمانہ میں مُلّاؤں نے اسقدر مستعدی و جرأت سے کیوں کام لیا۔

خوارج (جمہوریت پسند) اور مسئلۂ خلافت

خوارج کے معتقدات بیان کرنے میں بہت حد تک اجمال سے کام لیا جائیگا۔ کیونکہ ان کے سیاسی عقیدہ کے ارتقا کی تاریخ ابھی تک بہت تھوڑی

لکھی یا سمجھی گئی ہے۔ خوارج کے نام سے سب سے پہلے اس مشہور بارہ ہزار کے دستہ فوج کو پکارا گیا جس نے جنگِ صفین میں حضرت علیؓ کے ماتحت لڑنے کے بعد آپ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ جس بات نے انہیں برافروختہ کیا۔ وہ یہ تھی۔ کہ حضرت علیؓ نے اپنے اور امیر معاویہ کے مابین خلافت کے تصفیہ کو ثالثوں پر چھوڑنے میں رضامندی کا اعلان کیا تھا۔ ادھر ان لوگوں کا خیال یہ تھا۔ کہ فیصلہ قانونِ الٰہی یعنے قرآن کے مطابق ہونا چاہئے۔ انہوں نے حضرت علیؓ سے کہا۔ کہ "تم ہمیں کتاب اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کیطرف بلاتی ہے۔ اور اس کے مطابق فیصلہ چاہتی ہے۔ تم ہمیں تلوار اٹھانے کا حکم دیتے ہو اور جنگ پر آمادہ کرتے ہو" امام شہرستانی کے نزدیک خوارج کے چوبیس فرقے ہیں۔ ان میں عام طور پر شریعت اور آئین اساسی کے مسائل کے متعلق ایک دوسرے سے تھوڑا تھوڑا فرق ہے۔ مثلاً مختلف فیہ مسائل اس قسم کے ہیں: "قانون سے لاعلمی معقول عذر ہے" "زانی کو سنگسار نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ قرآن میں اس سزا کا ذکر نہیں" "تقیہ حرام ہے" "خلیفہ کو امیر المومنین کے خطاب سے پکارنا ناجائز ہے" "ایک ہی وقت میں دو یا اس سے زیادہ خلیفوں کا مسندِ خلافت پر متمکن ہونا شرعاً ناجائز نہیں"۔ مشرقی افریقہ اور مزاب (جنوبی الجیریا) میں خوارج ابھی تک اپنے جمہوری منتہا کے سادہ عقیدہ پر قائم و ثابت ہیں۔ عام عقائد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے خوارج تین جماعتوں پر منقسم ہیں (۱) وہ جن کا مذہب یہ ہے کہ خلیفہ منتخب ہونا چاہئے۔ لیکن اس کی یہ شرط نہیں کہ وہ کسی خاص خاندان یا قبیلہ سے تعلق رکھتا ہو۔ عورت اور غلام بھی خلیفہ منتخب ہو سکتے ہیں بشرطیکہ وہ سچے اسلامی حکمران ثابت

ہوں۔ اس فرقہ کے خوارج جب کبھی بر سرِ اقتدار ہوئے۔ انہوں نے دانستہ نچی قوم کے ادنےٰ طبقہ کے لوگوں سے خلیفہ منتخب کیا (۲) دُوسرے اس قسم کے خوارج ہیں۔ جن کا عقیدہ ہے کہ خلیفہ کی سرے سے ضرورت ہی نہیں۔ جمہور مسلمان اپنے کوائف و حالات کے نگراں آپ ہو سکتے ہیں۔ اور اپنے آپ پر آپ حکومت کر سکتے ہیں (۳) تیسرے وہ جو مطلقاً کسی قسم کے نظام و حکومت کے قائل ہی نہیں دُوسرے الفاظ میں "اسلام کے انارکسٹ" کہیئے۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ حضرت علیؓ نے انہی لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا تھا: "تم کسی نظام و حکومت میں ایمان نہیں رکھتے۔ مگر نظام و حکومت کے بغیر چارہ نہیں خواہ اچھا ہو یا بُرا" ؂

سیاسیاتِ اسلام میں یہی بڑے بڑے مذاہب ہیں جن کا ہم نے مختصراً ذکر کر دیا ہے۔ ان تمام کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس امر کے تسلیم کرنے میں شبہ نہیں رہے گا۔ کہ قرآنِ پاک نے جو اصول اساسی قائم کیا ہے۔ وہ انتخاب ہی کا اصول ہے۔ رہا یہ امر کہ عملاً حکومت کے اس طرزِ عمل کو دنیا میں قائم کرنے کے لئے اس اصول کی کیا کیا تشریح و تاویل کی جا سکتی ہے۔ اور اس سے کون کون سی فروعات و تفصیلات مستنبط ہوتی ہیں۔ اس بات کے فیصلہ کا دار و مدار وقتی حالات و دیگر واقعات پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ جو مختلف زمانوں میں مختلف جگہوں میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ مگر شومیٔ قسمت سے مسلمانوں نے انتخاب کے مسئلہ کی طرف کماحقہٗ توجہ نہیں کی۔ اور خالص جمہوری بناؤں پر اصول انتخاب کے مسئلہ کو فروغ دینے کی سعی سے قاصر رہے ہیں۔

نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مسلمان فاتحین ایشیا کے سیاسی نشوو ارتقاء کے لئے مطلقاً کچھ نہ کر سکے۔ بغداد اور اندلس میں بے شک بظاہر اصولِ انتخاب کی ہیئت کو قائم رکھا گیا۔ لیکن اس قسم کے باقاعدہ سیاسی نظام کوئی قائم نہ کئے گئے جن سے بحیثیت مجموعی قوم کو استحکام و استقرار نصیب ہو۔ اسلامی ممالک میں سیاسی زندگی نے کیوں فروغ نہ پایا۔ میرے خیال میں اس کے دو بڑے وجوہ ہیں۔ اور وہ یہ ہیں :-

(۱) کہ اول تو ایرانیوں اور منگولوں کے اذہان ہی فطرتاً انتخاب کے مفہوم سے مستبعد اور ناآشنا تھے۔ بلکہ اس کے مخالف اور اس سے متوحش تھے۔ اور یہی دو سب سے بڑی قومیں ہیں جنہوں نے اسلام بطور مذہب قبول کیا۔ ڈوزی لکھتا ہے۔ کہ ایرانی ہمیشہ خلیفہ کو مظہرِ الوہیت سمجھ کر اس کی پرستش پر آمادہ و کمربستہ رہے ہیں جب کبھی ان کو یہ بتایا گیا۔ کہ عبادت و پرستش خدائے واحد و برتر ہی کو انسب و شایاں ہے۔ ماسوا معبود نہیں ہو سکتا۔ تو انہوں نے ہمیشہ ایسے خلیفہ کے خلاف جو معبود بننا مناسب نہ سمجھتا ہو بغاوت کی ٭

(۲) دوسرا سبب میرے نزدیک یہ ہے کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی زندگی زیادہ تر فتوحات کی زندگی تھی۔ اُن کی تمام قوت و ہمت تمام رجحان و میلان ملک و سلطنت کی تقویم و توسیع کے لئے وقف تھا۔ دنیا میں اس روش کا ہمیشہ یہی نتیجہ ہوا۔ کہ حکومت و ریاست کی باگ ہمیشہ چند افراد کے ہاتھ میں رہتی ہے۔ جن کا اقتدار رفتہ رفتہ طوعاً یہ

"تاہم عملاً ایک مطلق العنان بادشاہ کے اقتدار کے مترادف ہو جاتا ہے یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس سے سوائے اس کے اور کوئی نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا۔ کہ جمہوریت قدرتاً شہنشاہت کے دوش بدوش چلنے اور کام کرنے کو طیار نہیں۔ یہ ایک سبق ہے۔ جسے موجودہ زمانہ کے شہنشاہت پسند انگریز ہم مسلمانوں سے بڑی اچھی طرح سیکھ سکتے ہیں۔ کہ بالآخر اس کوشش کا نتیجہ وہی ہو گا۔ جو ہماری یا باقی اقوام کی تاریخ میں ہوا ہے"۔

ہم اس اثر کے لئے جو مغربی سیاسیات کا اس وقت ہم مسلمانوں پر ہو رہا ہے۔ اہل مغرب کے ممنون و شکر گذار ہیں۔ اس اثر کی بدولت ہے کہ اس زمانے میں اسلامی ممالک میں سیاسی زندگی کے آثار از سر نو پیدا ہو رہے ہیں۔ انگلستان کے زیر اثر مصر مضبوط و مستحکم ہو رہا ہے۔ ایران کو شاہ ایران سے اصلاحات کی غرض سے نیا قانون اساسی حاصل ہو چکا ہے۔ ترکی میں انجمن اتحاد و ترقی اسی جدوجہد میں سرگرداں ہے۔ اور اپنے حصول مقاصد کے لئے مختلف تجاویز و مساعی جمیلہ میں منہمک ہے۔ مگر ان تمام سیاسی مصلحین کو میں یہ رائے دونگا۔ کہ ان کے لئے یہ اشد ضروری ہے۔ کہ بیشتر اس کے کہ وہ اپنے آپ کو نئی تہذیب کے پیغمبر ظاہر کر کے اپنے لوگوں کی اس قدامت پسندی کو جو قدرتاً ان سے بدظن ہے صدمہ پہنچائیں۔ وہ اسلامی آئین اساسی کے اصولوں کو بغور و خوض مطالعہ فرمالیں اور اگر اس طرح وہ جمہوریہ۔ یہ ثابت کر دیں۔ اور ان کو یقین دلا دیں کہ سیاسی

آزادی کے وہ اُصول جو بظاہر غیر اسلامی نظر آتے ہیں۔ فی الحقیقت عین اسلامی ہیں۔ اسلام ہی کا مقصود و منتہا ہیں اور آزاد اسلامی ضمیر کا مطالبہ اسلامی اصُولوں ہی پر مبنی ہے۔ اور انہیں کا مقتضی ہے۔ تو یقیناً وہ جمہور و عامۃ الناس کو زیادہ متاثر کر سکیں گے۔ اور ان کو مطلوبہ سیاسی انقلاب کے لئے آمادہ کار پائیں گے ۔

(از ترجمانِ حقیقت ڈاکٹر علامہ سر اقبال)

بہت تو نے غیروں کو ہے آزمایا
مگر آج ہے وقت خود آزمائی
نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا؟
خلافت کی کرنے لگا تو گدائی
خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے
مسلماں کو ہے ننگ وہ بادشائی

مرا از شکستن چناں عار ناید
کہ از دیگراں خواستن مومیائی

تاریخ حُریتِ اسلام

علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی بیرسٹر ایٹ لا۔ لاہور کی رائے

فوق کو اسلامیات سے ہمیشہ شغف رہا ہے اس سے پہلے ان کی متعدد تصانیف شائع ہو چکی ہیں لیکن حق یہ ہے۔ کہ حریت اسلام ان کی بہترین تصنیف ہے۔ دلیری اور بے باکی سے اعلان حق کرنا گذشتہ مسلمانوں کی سیرت کا ایک نمایاں پہلو تھا۔ مگر افسوس کہ عصر حاضر کے عام مسلمان تو تاریخ اسلامی سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ اچھے اچھے تعلیم یافتہ موٹے موٹے واقعات سے بھی بے خبر ہیں۔ ان حالات میں فوق صاحب کی تصنیف پنجاب کے اسلامی لٹریچر میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ اور مجھے یقین ہے۔ کہ کوئی مسلمان خاندان اس بیش بہا کتاب کے مطالعہ سے محروم نہ رہیگا۔ اسلامی سکولوں اور کالجوں کے کتب خانے خاص طور پر اس کے مطالعہ کی طرف توجہ کریں۔ اس زمانہ میں جبکہ جمہوریت کی روح ہندوستان میں نشو و نما پا رہی ہے۔ دیگر اہل ملک کیلئے بھی یہ کتاب سبق آموز ہوگی +

قیمت تین روپے (عہ)

تحقیق ملک العلماء عبدالحکیم سیالکوٹی { علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی شاہجہانی ہم مکتب نواب سعداللہ خاں وزیر شاہجہان و حضرت مجدد الف ثانی کی زندگی کے مفصل و مکمل حالات آخر میں تاریخ سیالکوٹ اور مشاہیر سیالکوٹ کے ضمیمہ نے کتاب کو اور بھی بیش قیمت بنا دیا ہے۔ قیمت .. .. ۱۲؍

سوانح ابن رشد اندلس (ہسپانیہ) کے نامور مسلمان عالم کے سوانحات عمرانہ مولانا شبلی مرحوم معہ سوانحعمری مصنف مغفور۔ قیمت .. .. ۴؍

خواتین دکن۔ اسلامی خواتین کی شجاعت و مردانگی کی کچھ کیفیت دیکھنی ہو۔ تو تذکرہ خواتین دکن ملاحظہ فرمایئے۔ بڑے دلچسپ اور ولولہ انگیز حالات ہیں قیمت .. .. .. ۸؍

المشتہر: ظفر برادرس تاجران کتب لاہور ”ظفر منزل“

ہماری اپنی جدید مطبوعات

تاریخ انگورہ۔ جس میں انگورہ۔ سمرنا۔ بروصہ۔ سمسون۔ سینوب۔ طرابزون۔ قفقاز وغیرہ شہروں اور ملکوں کے حالات کے علاوہ اناطولیہ کے قدیم و جدید تاریخی و جغرافیائی حالات اور قریباً ۲۵ غازیانِ انگورہ کے جذباتِ ملیہ اور سوانحاتِ عمر درج ہیں جن میں غازی مصطفیٰ کمال پاشا۔ خالدہ خانم۔ فاطمہ خانم وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ قیمت .. .. ۱۲ عہ

دیوان حافظ کی تاریخی فالیں۔ لسان الغیب خواجہ حافظ شیرازی کے دیوان کے وہ اشعار درج ہیں جو بعض شاہانِ مغلیہ شاہانِ ایران۔ شاہانِ کابل کے علاوہ عام لوگوں نے بھی بطور فال و استخارہ استعمال کئے ہیں معہ اپنے تاریخی حالات کے۔ اس میں غازی مصطفیٰ کمال پاشا کی کامرانی کی پیشینگوئی بھی درج ہے۔ قیمت ۴ر

روایاتِ اسلام۔ حال ہی میں اس کا دوسرا ایڈیشن چھپا ہے۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال مولانا ظفر علی خاں مولوی شبلی اور بعض اور نامور قومی شعراء کی پرجوش اور سبق آموز اسلامی تاریخی نظموں کا مجموعہ۔ ۴ر

جمال الدین افغانی۔ مجددِ اعظم علامہ سید جمال الدین افغانی کے حالاتِ زندگی جنہوں نے حریت و آزادی کی خاطر وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ ترک کر دیا۔ اور مصر۔ ٹرکی۔ ایران اور ہندوستان میں جن کی تحریکیں اب نشو و نما پا رہی ہیں قیمت ۸ر زاغلول پاشا امام الاحرار مصر کی سبق آموز سوانحعمری ۱۰ر

محبِ وطن خواتینِ ہند۔ فداکاران ملک و ملت میں جن عورتوں نے حصہ لیا ہے۔ ان میں سے ۳۲ ہندو مسلمان سکھ خواتین کے حوصلہ افزا حالات جنہیں آبادی بانو بیگم والدہ علی برادران مسز سروجنی نائیڈو و سرلا دیوی بی۔ اے خدیجہ بیگم ایم۔ اے وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ۸ر

زنانہ حاضر جوابیاں۔ عورتوں کی ذہانت و طباعی اور حاضر جوابیوں اور بدیہہ گوئیوں کے نادر و دلکش نظم و نثر کے نمونے مسلمان عورتوں کی ادبی قابلیت دیکھنی ہو۔ تو اس کتاب کو ضرور منگائیے ۶ر

المشتہر:۔ ظفر برادرس تاجرانِ کتب لاہور۔ حلقہ ۲۴ ع

IQBAL ACADEMY
KARACHI

تصنیفات علّامہ ڈاکٹر سر اقبال

مثنوی اسرار خودی۔ خودداری کے سبق اور اپنے حقوق کی حفاظت کیلئے جدوجہد کی تعلیم۔ چاہیئے کہ ہمارے خطیب اور آئمہ مساجد مثنوی مولانا روم کے ساتھ ساتھ اسکے اشعار سے بھی اپنے مقتدیوں کو وعظ و نصیحت کیا کریں۔ قیمت بلا جلد عہ مجلد عہر

رموزِ بیخودی۔ خودداری کی دوسری منزل۔ انفرادی خودداری کے بعد قومی خودداری کی تعلیم ہمارے آئمہ مساجد کا فرض ہونا چاہیئے۔ کہ وہ اسے ہر خطبہ جمعہ میں اپنے مقتدیوں کو پڑھ کر سنایا کریں۔ اور اس کے مطالب کو ان کے ذہن نشین کیا کریں۔ قیمت بلا جلد عہ مجلد عہر

نالۂ یتیم (۲ر) شکوہ (۲ر) شمع و شاعر (۶ر) جواب شکوہ (۴ر) فریاد امت (۲ر) قومی زندگی ڈاکٹر اقبال (۳ر) مکمل ترانہ (۲ر) بلال حبشی (۲ر) اقبال اکبری (۳ر) خضر راہ (۴ر)

تصانیف امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد

تذکرہ۔ یہ کتاب اصل میں حضرت مولانا کے اپنے بزرگوں کے خود نوشتہ حالات پر مشتمل ہے۔ لیکن اسی ضمن میں تاریخ۔ ادب۔ سیاست۔ مذہب کے نہایت اہم مباحث پر تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ قیمت (عہ) رہنمائے حریت (۵ر) صدائے حق (۸ر) اتحاد اسلامی (۳ر)

تفسیر سورۂ والتین۔ قیمت ۸ر۔ الفرقان بین الاولیاء و اولیاء الشیطان (۶ر)

خطبات سیاسیہ مساجد اسلامیہ کے متعلق احادیث و کلام مجید سے مساجد کی حیثیت اور متولیان و قابضان کا طرزِ عمل ثابت کرنا گرجوں اور مسجدوں کا فرق۔ ان کی تعمیر کا مقصد ان میں داخلہ کی ممانعت کرنیوالوں کو وعید۔ قیمت (۸ر) الحریت فی الاسلام (۱۲ر)

المشتھران:۔ شیخ جان محمد اللہ بخش تاجران کتب لاہور بنگلہ ایوب شاہ